تنزیل و تاویل

قصّۂ داؤد علیہ السّلام اور اسرائیلی خرافات

کچھ مدت ہوئی، ناظرین ترجمان القرآن میں سے ایک صاحب نے اس قصے کے متعلق اپنے تشکوک کا اظہار کیا تھا جو سورۂ صٓ کے دوسرے رکوع میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بیان ہوا ہے۔ اگرچہ ان کو ایک مختصر جواب بروقت دے دیا گیا، مگر بعد میں خیال آیا کہ یہ قصہ قرآنِ مجید کے ان مقامات میں سے ہے جن کے حسن و جمال کو اسرائیلی خرافات کے غبار نے اکثر لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا ہے، اور جن کے متعلق عام طور پر متداول تفسیروں یا ترجموں کی مدد سے قرآنِ مجید کا مطالعہ کرنے والوں کو شبہات، اور سخت شبہات پیش آتے ہیں، لہٰذا اس پر ایک مستقل مضمون لکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ قصہ قرآنِ حکیم میں کس فائدے کے لئے بیان کیا گیا ہے، اور اس کا صحیح مفہوم کیا ہے۔

سورۂ صٓ اس مضمون سے شروع ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر کفار ضد اور ہٹ دھرمی، اور تقلید آبائی کی بنا پر آپ کو جھٹلاتے ہیں، اور ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ قوم نوحؑ، اور عاد، اور فرعون، اور ثمود اور قوم لوطؑ اور قوم شعیبؑ کا حوالہ دے کر انہیں متنبہ کرتا ہے کہ یاد رکھو! ہمارے قانون میں کسی کے لئے رو رعایت نہیں ہے، تم سے پہلے جس جس نے ہمارے فرمان سے سرتابی کی ہے اس کو سخت سزا دی جا چکی ہے، اور اب اگر تم سرکشی کرو گے تو کوئی چیز تم کو ہمارے عذاب سے نہ بچا سکے گی۔

اسی تنبیہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ آگے چل کر بیان فرماتا ہے کہ ہمارا قانون تو ایسا بے لاگ ہے کہ

معمولی درجہ کے انسان تو کیا چیز ہیں، بڑے بڑے عالی مرتبہ لوگ حتیٰ کہ نبی اور پیغمبر بھی اگر ہمارے مقرر کئے ہوئے طریقِ حق سے بال برابر جنبش کرتے ہیں تو ہم ان کو بھی گرفت کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ۔ اے نبی! ان کو ذرا ہمارے خاص بندے داؤد کا حال سناؤ۔ کس پائے کا شخص تھا؟ ذَا الْاَيْدِ۔ بڑی قوتوں کا مالک۔ بڑی نعمتوں سے سرفراز کیا ہوا۔ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ۔ اور اس کے ساتھ نہایت خدا ترس۔ دائماً اپنے مالک کی طرف رجوع کرنے والا۔ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ۔ صبح و شام خدا کا ذکر اس جوش، اس جذبہ کے ساتھ کرتا تھا کہ پہاڑ اور پرندے تک اس کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے تھے۔ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔ ہم نے اس کو نہایت مضبوط، طاقتور سلطنت عطا کی تھی، حکمت اور دانشمندی کی نعمت سے نوازا تھا، اور اس کو فیصلہ کن بات کہنے کی قابلیت بخشی تھی۔ مگر تمہیں معلوم ہے کہ جب اس سے ایک معاملہ میں لغزش ہو گئی تو ہم نے کیا کیا؟۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ۔ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ۔

کیا تمہیں ان مقدمہ والوں کی خبر پہنچی ہے جو دیوار پھاند کر داؤد کی خلوت گاہ میں گھس آئے تھے؟ ان کے اس طرح اچانک ایسی جگہ پہنچ جانے سے جب داؤد گھبرا گئے، تو انہوں نے کہا آپ پریشان نہ ہوں، ہم دو فریقِ مقدمہ ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیں، حق سے تجاوز نہ کریں اور ہمیں عدل کی راہ بتائیں۔

مقدمہ کیا تھا؟ ایک فریق نے دوسرے فریق کی طرف اشارہ کرکے کہا:۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ۔ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ۔ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ۔

بیشک یہ میرا بھائی ہے (دینی بھائی اور ہم قوم)، اس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی۔ یہ مجھ سے کہتا ہے کہ یہ اپنی ایک دنبی بھی مجھے دے دے۔ اور اس مطالبہ میں اپنی شان و

شوکت سے مجھے دبالیتا ہے۔

داؤد علیہ السلام اس روداد مقدمہ کو سن کر فرماتے ہیں :-

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ	داؤد نے کہا، بلا شبہ اس شخص نے ظلم کیا کہ اتنی دنبیاں رکھتے
إِلَىٰ نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ	ہوئے بھی تیری ایک دنبی مانگ بیٹھا۔ اور اکثر ہمسایوں کا یہی
لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ	حال ہے کہ ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے ہیں، بجز ایسے
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ۔	لوگوں کے جو ایمان دار اور نیکوکار ہیں، مگر ایسے لوگ کم ہی ہیں

یہ فیصلہ دینے کے بعد حضرت داؤد کو یکایک خیال آیا کہ ایسی ہی ایک لغزش مجھ سے بھی ہو چکی ہے، چنانچہ فوراً وہ خدا کے خوف سے لرز اٹھے، اور توبہ و استغفار کرنے لگے :-

وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ	داؤد کو معاً یہ گمان ہوا کہ یہ مقدمہ بھیج کر ہم نے اس کو
رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ۔	آزمائش میں ڈالا ہے۔ چنانچہ اسی وقت اس نے اپنے

پروردگار سے عفو و بخشش کی دعا کی، اور سجدے میں گر پڑا اور بار بار توبہ کی۔

جب حضرت داؤد نے اس طرح اپنی لغزش کا اعتراف کر لیا اور سچے دل سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا	ہم نے اس کی وہ خطا معاف کر دی اور یقیناً وہ ہمارے
لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ۔	ہاں مقرب ہے اور اس کی اچھی منزلت ہے۔

مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے اس کو ان الفاظ میں سختی کے ساتھ تنبیہ کی کہ :-

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً	اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا
فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ	تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر۔ اور
وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ	اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی نہ کر، کہ یہ خواہشات

اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ
کہیں تجھ کو خدا کے راستہ سے بھٹکا نہ دیں۔ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں، یقیناً ان کے لئے سخت عذاب ہے، کیونکہ وہ روزِ حساب کو بھول گئے۔

جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں، اس قصے کو بیان کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور اس کے بے لاگ قانون سے ناواقف ہیں، انہیں متنبہ کر دیا جائے کہ اس احکم الحاکمین کے ہاں کسی کی ساتھ رورعایت نہیں۔ اس کے قانون سے بال برابر انحراف بھی اگر ہوگا تو اس پر گرفت ضرور ہوگی، اور کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی اس کی گرفت سے نہ بچے گی، اِلّا یہ کہ سچے دل سے توبہ کرے، اخلاص کے ساتھ اس کی جناب میں رجوع لائے اور اپنے آقا کے مقابلہ میں کبر کے بجائے عجز اختیار کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ایک اور مقصد بھی ہے جس کے لئے یہ قصہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، اور وہ ایک جلیل القدر نبی کے حق میں یہود کی غلط بیانیوں کو دور کرنا ہے۔

یہود کے متعلق معلوم ہے کہ انھوں نے خود اپنی قوم کے انبیاء پر ناپاک الزامات لگانے، اور ان کی سیرتوں کو داغدار کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں کیا ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، غرض کوئی ان کی بدگوئیوں سے نہ بچ سکا۔ لیکن سب سے زیادہ ظلم انھوں نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر کیا کہ ان کو انبیاء کی صف سے نکال کر معمولی بادشاہوں کی صف میں اتار لائے، اور ان کو اس حیثیت سے پیش کیا کہ وہ ڈپلومیٹ ہیں، فاتح اور مدبر ہیں، جھوٹ، فریب، ظلم، اور ان تمام وسائل سے توسیع مملکت کرتے ہیں جن سے دنیا کے دوسرے فاتحوں اور جہانگیروں نے کام لیا ہے، اور اپنے نفس کی خواہشات پوری کرنے کے لئے وہ سب کچھ کر گذرتے ہیں جو عام بادشاہوں کا شیوہ ہے۔ حد یہ ہے کہ انھوں نے حضرت داؤد پر زنا اور حضرت سلیمان پر شرک اور ساحری کا الزام لگانے میں بھی باک

نہیں کیا۔ یہ اس قوم کا برتاؤ اُن بزرگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے اس کو ذلت کی خاک سے اٹھا کر عزت کے آسمان پر پہنچایا۔ آج جن تاریخی مفاخر پر یہ قوم ناز کرتی ہے وہ سب انہی بزرگوں کی بدولت اسے نصیب ہوئے ہیں، اور انہی کی پاک سیرتوں پر اس نے سیاہی کے چھینٹے پھینکے ہیں۔

دنیا میں صرف ایک قرآن ہی ایسی کتاب ہے جس نے ان انبیاء کرام میں سے ایک ایک کی پوزیشن صاف کی، اور ان کے اصل مرتبہ و مقام سے دنیا کو روشناس کیا۔ اگر قرآن نہ آتا تو آج کوئی شخص ان بزرگوں کو نبی ماننا تو درکنار، عزت سے ان کے نام لینا بھی گوارا نہ کرتا۔ بنی اسرائیل چاہے اس احسان کو نہ مانیں، مگر احسان کا احسان ہونا اس کا محتاج نہیں کہ اس کا اعتراف بھی ہو۔

سیدنا داؤد علیہ السلام کے متعلق یہود کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ ان کی نبوت ہی کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ان کو محض اپنی قوم کا ایک ہیرو سمجھتے ہیں۔ قرآن اس کی اصلاح کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ وہ ایک جلیل القدر نبی تھے، اور اللہ نے ان کو بڑا مرتبہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کے سلسلہ میں وہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا بھی ذکر کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ "یہ سب صالح لوگ تھے"۔ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ "ان سب کو ہم نے دنیا جہان والوں پر فضیلت عطا کی"۔ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ "اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیا اور ایک سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کی"۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کیا"۔ اور یہ سب کچھ کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کرتا ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ "ان لوگوں کو اللہ نے راہ راست دکھائی تھی، لہٰذا جس راستے پر وہ چلے ہیں اس پر تم بھی چلو"۔ (الانعام۔ ۱۰)

دوسرا زبردست داغ جو حضرت داؤد کی سیرت پر یہودیوں نے لگایا ہے، وہ اوریا حتی

کی بیوی کے معاملہ میں ہے۔ کتاب صموئیل دوم باب ۱۱ و ۱۲ میں اس کی پوری تفصیل درج ہے جس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:-

"ایک روز شام کے وقت داؤد اپنے محل کی چھت پر ٹہل رہا تھا کہ اس کی نظر ایک عورت پر پڑی جو نہا رہی تھی۔ بے حد خوب صورت عورت تھی۔ داؤد نے دریافت کرایا کہ یہ کون ہے؟ معلوم ہوا بتشبع بنت الیعام اس کا نام ہے، اوریاحِتّی کی بیوی ہے۔ داؤد نے اس کو بلا بھیجا اور رات اپنے پاس رکھا۔ اسی رات وہ حاملہ ہوگئی اور بعد میں داؤد کو اس نے اپنے حمل کی اطلاع دے دی۔

"اس کے بعد داؤد نے اوریا کو یوآب کے پاس بھیج دیا جو اس وقت بنی عمون سے لڑ رہا تھا، اور شہر ربّہ کا محاصرہ کیے پڑا تھا۔ اس نے یوآب کو لکھا کہ اوریا کو جنگ میں کسی ایسی جگہ مامور کر جہاں سخت معرکہ ہو اور پھر اس کو چھوڑ کر الگ ہو جا تاکہ وہ مارا جائے۔ چنانچہ یوآب نے ایسا ہی کیا اور وہ لڑائی میں مارا گیا۔

"اس طرح اوریا کو ٹھکانے لگانے کے بعد داؤد نے اس عورت سے نکاح کر لیا اور اسی کے پیٹ سے سلیمان پیدا ہوا۔

"خدا کو داؤد کا یہ فعل ناگوار ہوا اور اس نے ناتن نبی کو داؤد کے پاس بھیجا۔ ناتن نے اس سے کہا کہ ایک شہر میں دو شخص تھے۔ ایک مالدار تھا، دوسرا فقیر۔ مالدار شخص کے پاس بہت سی بکریاں اور گائیں تھیں۔ فقیر کے پاس صرف ایک چھوٹی سی دنبی تھی جس کو وہ بڑی محبت سے پالتا تھا۔ ایک مرتبہ مالدار شخص کے پاس کچھ مہمان آئے۔ اس نے نہ چاہا کہ اپنی بکریوں اور گایوں میں سے کسی کو کاٹے۔ فقیر کی دنبی لے لی اور اس سے ضیافت کا سامان کیا۔ یہ قصہ سن کر داؤد بہت غضبناک ہوا اور کہا کہ ایسا شخص ضرور مارا جائے گا اور اس فقیر کو ایک کے بدلے چار

دنبیاں دلوائی جائیں گی۔ ناتن نبی نے کہا کہ وہ شخص تو ہی ہے، اور اسے اوریا حتی کا واقعہ یاد دلایا۔"

اس قصے میں حضرت داؤد علیہ السلام کی اخلاق کی ایسی تصویر کھینچی گئی ہے جو ایک نبی تو درکنار، ایک معمولی بادشاہ کے لئے بھی انتہائی شرمناک ہے۔ یہودیوں میں یہ قصہ بچے بچے کی زبان پر چڑھا ہوا تھا۔ حضرت داؤد کی زندگی کے نمایاں واقعات میں اس کو شمار کیا جاتا تھا، اس پر عجیب عجیب حاشیے چڑھائے گئے تھے، اور مزے لے لے کر اس کو بیان کیا جاتا تھا۔ غیر ممکن تھا کہ قرآن ایک عالی مرتبہ پیغمبر کی سیرت پر اس داغ کو گوارا کرتا۔ اس نے مذکورہ بالا آیات میں حکمت و موعظت کا درس دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اصل واقعہ کیا ہے اور اس پر جھوٹے حاشیے کتنے چڑھائے گئے ہیں۔

قرآن مجید کے بیان سے واقعہ کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام نے اوریا (یا جو کچھ بھی اس کا نام رہا ہو) سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ ان کی شخصی عظمت کو پیشِ نظر رکھ کر وہ ایک طرح سے اپنے آپ کو طلاق دینے پر مجبور پا رہا تھا مگر قبل اس کے کہ وہ طلاق دیتا، قوم کے دو نیک آدمی حضرت داؤد کے پاس اچانک پہنچ گئے، اور انھوں نے اس معاملہ کو ایک فرضی مقدمہ کی صورت میں ان کے سامنے پیش کیا۔ مقدمہ سن کر حضرتِ داؤد نے وہی فیصلہ دیا جو ایسے معاملہ کا برحق فیصلہ ہو سکتا تھا لیکن معاً ان کو خیال آیا کہ یہ تو میرا ہی معاملہ ہے، میری آزمائش کر رہا ہے، چنانچہ فوراً انھوں نے توبہ کی اور غایت درجہ کی عاجزی کے ساتھ خدا سے اپنے قصور کی بخشش چاہی۔

اس بیان کو سامنے رکھ کر جب ہم توراۃ کی روایت کو دیکھتے ہیں تو بادنیٰ تامل یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اصل واقعہ جب مشہور ہوا ہو گا تو اس پر حاشیے کس طرح چڑھ گئے ہوں گے۔

شریر النفس اور خبیث طینت لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب کسی آدمی اور خصوصاً بڑے آدمی کے متعلق کسی چھوٹی سی بات کی بھنک ان کے کان میں پڑ جاتی ہے تو فوراً ان کی قوتِ متخیلہ اپنا کام شروع کر دیتی

ہے۔ اور وہ محض اپنے ذہن سے بہت سی امکانی صورتیں فرض کرکے ان کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ محقق واقعات ہیں۔ ہر انسان سے خواہ وہ کیسے ہی بڑے درجہ کا آدمی ہو، کبھی نہ کبھی کوئی ایسا فعل ضرور ہو جاتا ہے جس کو آسانی کے ساتھ برے معنی پہنائے جا سکتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا اگرچہ وہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک عام دستور تھا[1]، اور اسی دستور سے متأثر ہو کر نبی اللہ سے یہ لغزش سرزد ہوئی تھی، مگر چونکہ ایک بڑے آدمی کا فعل تھا، اس لئے فوراً شہرت پکڑ گیا، اور اس پر لوگوں نے حاشیے چڑھانے شروع کر دیے۔ اُوریاہ سے طلاق کا مطالبہ کرنا یہ گمان کرنے کے لئے کافی تھا کہ حضرت داؤد اس کی بیوی کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اب لوگوں کے ذہن نے ٹٹولنا شروع کیا کہ یہ میلان آخر ہوا کیونکر؟ کسی ذاتِ شریف کو یہ بات سوجھ گئی کہ غالباً اپنے محل پر سے اس کو نہاتے میں دیکھ لیا ہوگا، مگر ان کی صداقت شعاری نے "ہوگا" کو محض "ہوگا" کی صورت میں بیان کرنا پسند نہ کیا، اس لئے انھوں نے "ہوگا" کو "ہے" میں تبدیل کرکے لوگوں سے بیان کیا۔ رفتہ رفتہ یہ ایک واقعہ بن گیا حالانکہ میلان ہونے کے بہت سے اسباب ہو سکتے تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت داؤد نے اس عورت کی قابلیت اور اس کی اعلیٰ صلاحیتوں کا حال سن کر اسے پسند کیا ہو لیکن برے نفوس کی شرارت ہمیشہ ایسے واقعات میں برے امکانات ہی کی طرف مائل ہوتی ہے۔

پھر جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت داؤد اس عورت کی طرف مائل ہیں، تو ان کی نالائق فطرت یہ بات ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہ ہوئی کہ ایک بادشاہ کسی عورت کی طرف مائل ہو، اور وہ اس کو حاصل نہ کرے۔ چنانچہ انھوں نے یہ بھی فرض کر لیا کہ بادشاہ نے اس عورت کو بلایا ہوگا اور اس سے زنا کی ہوگی۔

[1] اسرائیلیوں کے ہاں یہ کوئی معیوب بات نہ تھی کہ کوئی شخص کسی کی بیوی کو پسند کرکے اس سے طلاق کی درخواست کرے۔ نہ درخواست کرنے والا اس میں تکلف کرتا تھا، اور نہ وہ شخص جس سے درخواست کی جاتی، اس پر برا مانتا تھا۔ اور یہ تو ایک عمدہ اخلاق کی بات سمجھی جاتی تھی کہ کوئی شخص کسی دوست کو خوش کرنے یا اس کی تکلیف رفع کرنے کے لئے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کے نکاح میں دیدے۔ چنانچہ یہودی اخلاق ہی کا اثر تھا کہ مدینہ میں بعض انصار اپنے مہاجر بھائیوں کی مواسات کے لئے اپنی بیویوں کو طلاق دے کر ان سے بیاہ دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

"یہ ہوگا" بھی بہت جلدی "ہے" میں تبدیل ہو گیا اور اس پر حمل کا مزید حاشیہ چڑھا دیا گیا۔

اسرائیلی قوم اس وقت تک ایک زندہ قوم تھی، اور اس میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی اس کی غلطی پر ٹوکنے میں تامل نہیں کرتے۔ جب یہ قصہ مشہور ہوا تو اس قسم کے لوگوں میں سے دو آدمی حضرت داؤد کے پاس پہنچ گئے اور انھوں نے تمثیل کے پیرایہ میں ان کو متنبہ کیا۔ چنانچہ آنجناب فوراً اپنے فعل سے تائب ہو گئے۔ لیکن یا تو اس توبہ کا علم لوگوں کو نہیں ہوا، یا اگر ہوا بھی تو بد فطرت لوگوں کو اس کا یقین نہ آیا۔ بہر حال توبہ کے بعد حضرت داؤد تو اپنی جگہ اوریاہ کی بیوی کا خیال چھوڑ چکے تھے، مگر لوگوں نے اس کا خیال نہ چھوڑا۔ اوریاہ ایک فوجی افسر تھا۔ اس کا کسی مہم پر جانا کوئی انوکھا فعل نہ تھا، اور جنگ میں اس کا مارا جانا بھی کوئی نرالی بات نہ تھی۔ مگر چونکہ لوگوں کے ذہن میں وہ واقعہ تازہ تھا، اور وہ ایک نبی کی بادشاہت اور ایک نفس پرست آدمی کی بادشاہت میں فرق کرنے سے اپنی طبیعت کی افتاد کی بنا پر عاجز تھے، اس لئے جب اوریاہ جنگ میں گیا اور مارا گیا، تو انھوں نے اس طرح قیاس قائم کیا کہ داؤد علیہ السلام اس کی بیوی پر مائل تھے، اور وہ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے اوریاہ کا قصہ پاک کرکے اس کی بیوی کو حاصل کرنے پر قدرت بھی رکھتے تھے، اس لئے ضرور انھوں نے قصداً اوریاہ کو جنگ پر بھیجا ہوگا، اور قصداً ایسی تدبیر کی ہوگی کہ وہ مارا جائے۔ "یہ ہوگا" بھی بآسانی "ہے" میں تبدیل کر دیا گیا، اور بیٹھے بٹھائے یوآب کو خط لکھنے کا قصہ تصنیف ہو گیا۔

کوئی شخص کسی عورت کو پسند کرتا ہو، اور وہ عورت بیوہ ہو جائے، تو اس شخص کا اس عورت سے نکاح کر لینا کوئی نرالی یا معیوب بات نہیں ہے۔ مگر جب حضرت داؤد نے بتشبع سے نکاح کیا (جیسا کہ توراۃ کا بیان ہے) تو اسرائیلی عوام نے سمجھا کہ یہ ان تمام افواہوں کی صداقت کا قطعی ثبوت ہے جو اس سلسلہ میں اڑ رہی تھیں۔ یہاں پھر اسرائیلیوں نے اپنی اصلی طینت کا اظہار کیا۔ گو ایسے معاملہ میں ہمیشہ دو مساوی الدرجہ امکان ہوا کرتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص نے اپنی پسندیدہ عورت کو

حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہ کی ہو، اور اس کے بیوہ ہو جانے کے بعد کوئی اخلاقی و قانونی مانع نہ پا کر اس سے نکاح کر لیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے اسے حاصل کرنے کے لئے مجرمانہ تدبیریں کی ہوں۔ کسی شہادت کی غیر موجودگی میں ایک امکان کو دوسرے امکان پر قطعی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ لیکن ایسے مواقع پر انسان کی طینت اپنے آپ کو بے نقاب کرتی ہے۔ نیک طینت آدمی کا میلان ہمیشہ اچھے امکان کی طرف ہوتا ہے، اور اگر وہ شخص جس سے ایسا واقعہ متعلق ہو، صالح اور نیک چلن ہو تو نیک طینت آدمی یہی حکم لگائے گا کہ اس کا دامن پاک ہے۔ لیکن بد طینت آدمی ہمیشہ ہر طرف گندگی ہی گندگی ڈھونڈتا ہے۔ اس کی فطرت خود گندگی مانگتی ہے، اس لئے ایسے معاملات میں وہ ہمیشہ برے امکان ہی کو ترجیح دیتا ہے، حتیٰ کہ اگر شہادت سے اس کی تردید ہو جائے، تب بھی اندر سے اس کا دل نہیں مانتا۔

یہاں پہنچ کر قرآن اور بائبل کا فرق اتنا نمایاں ہو جاتا ہے جتنا روشنی اور تاریکی کا فرق ہے۔ قرآن بنی اسرائیل کے ایک ہیرو کی زندگی کو روشن کر کے دکھاتا ہے، اور اس کے دامن پر ایک معمولی لغزش کا داغ بھی دھوئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ مگر خود بنی اسرائیل جس کتاب کو کتاب مقدس کہہ کر پیش کرتے ہیں، وہ ان کے ہیرو کی وہ تصویر بھی پیش نہیں کرتی جو پاک طینت انسانوں کے ذہن میں آنی چاہئے، بلکہ ایسی تصویر پیش کرتی ہے جیسے اس قوم کے نہایت بد طینت سفہاء نے کھینچا تھا! یہودی اور عیسائی اس کتاب کو خدا کی کتاب کہتے ہیں، حالانکہ اس میں ایک جگہ نہیں سیکڑوں مقامات پر ایسے بیانات اور ایسے خیالات ملتے ہیں جو خدا تو درکنار، شریف انسانوں کے نفس کی بھی ترجمانی نہیں کرتے۔

اسرائیلی کیرکٹر کے کمالات یہیں ختم نہیں ہوتے۔ اس کی معراج آپ کو دیکھنی ہو تو یہ دیکھئے کہ جب قرآن نے اس قوم کے انبیاء کی صفائی پیش کی، اور اس کا لگایا ہوا ایک ایک داغ ان کے دامنوں پر سے دھویا، تو یہ خوش ہونے کے بجائے الٹے کبیدہ خاطر ہوئے، احسان مند ہونے کے بجائے مقابلے پر اتر آئے، اور انہوں نے ان سب دامنوں کو جنھیں قرآن نے دھویا تھا، پھر سے داغدار کرنے کی کوشش کی۔ قرآن جب نازل ہوا

تو مدینہ میں یہودی موجود تھے، اور نزول قرآن کے چند سال بعد جب مسلمان ایشیا اور افریقہ کے وسیع علاقوں پر پھیلے تو یہودیوں کی ایک کثیر تعداد کو ان سے میل جول کا موقع ملا۔ ان لوگوں نے ہر نبی کے متعلق وہی تمام پرانے قصے جو ان کے ہاں مشہور تھے، مسلمانوں میں بھی پھیلا دیے نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید کی بہت سی تفسیریں جو مسلمانوں نے لکھیں، ان کے اثر سے مسموم ہو کر رہ گئیں۔ یہ معاملہ متداول تفاسیر کا مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے، اور حضرت داؤد کے قصے میں بھی یہی صورت پیش آئی ہے۔ مدینہ کی یہودیوں نے اوریاہ کی بیوی کا قصہ اس کثرت سے مسلمانوں میں پھیلایا تھا کہ عام طور پر لوگ قرآن پاک کے اس رکوع کی تفسیر، توراۃ اور اسرائیلی خرافات ہی کے رنگ میں کرنے لگے تھے، حتیٰ کہ قرآن کی معنوی تحریف کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آخر کار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ اعلان کرانے کی ضرورت پیش آئی کہ جو شخص اوریاہ حتی کا قصہ روایت کرے گا اس کو ۱۶۰ کوڑے لگائے جائیں گے، سو کوڑے حد قذف کے، اور مزید ۶۰ کوڑے ایک نبی کی توہین کے۔[۱]

اب ہم ان تاویلات پر ایک نظر ڈالیں گے جو اس قصہ کے سلسلہ میں مفسرین نے بیان کی ہیں:-

(۱) عام طور پر مفسرین اور اہل الروایت وہی اوریاہ کا قصہ بیان کرتے ہیں جو یہودیوں سے منقول ہے، اور ان کے نزدیک داؤد علیہ السلام سے وہی معصیت کبریٰ سرزد ہوئی تھی، جس سے انھوں نے استغفار کیا لیکن قرآن کے الفاظ اس تاویل کا ساتھ نہیں دیتے۔ قرآن نے مستغیث کا جو بیان نقل کیا ہے۔ اس میں وہ صرف یہ کہتا ہے کہ قَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ (اس نے کہا کہ اپنی یہ دنبی بھی مجھے دیدے، اور گفتگو میں اپنی شان و شوکت سے مجھے دبالیا) یہ نہیں کہتا کہ اس نے دنبی مجھ سے چھین لی یا مجھ کو قتل کر دا کر چھیننے کی تدبیر کی۔

(۲) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اوریاہ سے بتشبع کی صرف منگنی ہوئی تھی اور حضرت داؤد کا قصور

[۱] ملاحظہ ہو کشاف، تفسیر کبیر اور تفسیر بیضاوی۔

یہ تھا کہ انھوں نے اپنے ایک مسلمان بھائی کی منگنی پر اپنی منگنی بھیجی۔ لیکن قرآن کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے تمثیل میں لی نعجۃ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دنبی اس کی ملک تھی۔ یہ نہیں کہ وہ اس کو خریدنا چاہتا تھا، اور اس کے مالدار بھائی نے اس کی بولی پر بولی دیدی۔

(۳) بعض مفسرین کے نزدیک حضرت داؤد کی لغزش یہ تھی کہ جب اس عورت کا شوہر مارا گیا تو ان کو وہ رنج نہ ہوا جو ہونا چاہئے تھا، محض اس لئے کہ وہ اس عورت کی طرف میلان رکھتے تھے لیکن یہ ایک بے سروپا بات ہے، اور اس سے وہ تمثیل بالکل بے معنی ہو جاتی ہے جو متنعث کی زبان سے بیان ہوئی ہے۔

(۴) ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ عورت کے قصہ کی سرے سے کوئی اصلیت ہی نہیں ہے۔ دراصل حضرت داؤد کے قتل کی سازش ہوئی تھی اور کچھ لوگ دیوار پھاند کر آگئے تھے۔ مگر جب حضرت داؤد ہوشیار ہو گئے تو انھوں نے محض بات بنانے کے لئے یہ مقدمہ گھڑ لیا۔ حضرت داؤد ان کی نیت تاڑ گئے اور انھوں نے ان لوگوں سے انتقام لینا چاہا۔ پھر بعد میں یا تو وہ اس بنا پر نادم ہوئے کہ انتقام کی خواہش ہی ان کے مرتبے سے گری ہوئی چیز تھی، یا اس پر نادم ہوئے کہ بغیر کسی ثبوت کے انھوں نے محض گمان پر ان لوگوں کو دشمن سمجھ لیا اور انہیں سزا دینی چاہی۔ بہرحال ان دو وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ تھی جس پر انہیں ندامت ہوئی اور انھوں نے توبہ و استغفار کیا۔ لیکن اس تاویل پر متعدد اعتراض وارد ہوتے ہیں:۔

اولاً، یہ کوئی ایسا اہم واقعہ نہیں کہ قرآن میں اس موقع پر اس شان سے اس کا ذکر ہوتا۔

ثانیاً، قرآن میں کوئی لفظ اس واقعہ پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ لوگ قتل کے لئے آئے تھے اور حضرت داؤد اس بات پر نادم ہوئے تھے کہ انھوں نے ان سے انتقام لینا چاہا تھا یا بلا ثبوت ان پر بدگمانی کی تھی۔

ثالثاً، قرآن کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اپنا فیصلہ سناتے ہی حضرت داؤد کو یہ گمان ہوا کہ ان کے رب نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے۔ اس سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ اس تمثیل اور

اس فیصلہ کا آزمائش سے کوئی تعلق ضرور تھا اور اسی پر انھوں نے استغفار کیا۔
رابعاً، اگر وہ لوگ حقیقت میں دشمن تھے اور قتل کی نیت سے آئے تھے تو اُن سے انتقام لینے کی خواہش ناجائز نہ تھی اور اس پر وہ تنبیہ غیر ضروری تھی جو یٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً الخ میں کی گئی ہے۔ اور اگر وہ دشمن نہ تھے تو ان کا تمثیلی مقدمہ محض بات بنانے پر محمول نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس میں لامحالہ کوئی معنویت ہونی چاہیے۔

(۵) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت داؤد نے دراصل اپنے لئے استغفار نہیں کیا تھا بلکہ ان لوگوں کے لئے استغفار کیا تھا جو ان کے قتل کو آئے تھے۔ لیکن اس صورت میں آزمائش کا ذکر بے معنی ہو جاتا ہے، اور یٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً کی تنبیہ قطعاً بے محل ٹھیرتی ہے۔

(۶) موجودہ زمانہ کے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ استغفار دراصل قاتلوں کے لئے نہ تھا بلکہ جب حضرت داؤد نے دیکھا کہ یہ لوگ قتل کے لئے آئے ہیں تو انھوں نے اللہ سے حفاظت اور پناہ کی دعا کی تھی۔ اس تاویل کی بنا یہ ہے کہ وہ استغفار کو لغوی معنوں میں لیتے ہیں، یعنی "اس امر کی دعا کہ اللہ ان کو اپنی حفظ و امان میں چھپالے۔" مگر اول تو یہ تاویل عربیت کے خلاف ہے، دوسرے یہ نہایت رکیک بات ہے کہ داؤد علیہ السلام جیسا بہادر سپاہی محض دو دشمنوں کو دیکھ کر مقابلہ کرنے کے بجائے رکوع و سجود میں لگ جائے، تیسرے اس تاویل میں ظَنَّ دَاوُدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اور فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ اور یٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً الخ کے فقرے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

(۷) بعض حضرات کے نزدیک حضرت داؤد کی لغزش یہ تھی کہ انھوں نے محض ایک فریق کا بیان سُن کر فیصلہ صادر کر دیا اور دوسرے فریق کا بیان نہ لیا۔ لیکن یہ تاویل بھی مہمل ہے، کیونکہ اول تو قرآن میں دوسرے فریق کا بیان درج نہ ہونے سے لازماً یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اس کا بیان نہیں لیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس نے اقرار کر لیا ہو، اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی ہو،

اور قرآن کا یہ عام انداز بیان ہے کہ وہ کسی واقعہ کی غیر ضروری تفصیلات نہیں دیتا بلکہ صرف مطلب کی بات بیان کر دیتا ہے۔ دوسرے اس تاویل کے لحاظ سے وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اپنی خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہیں یہ تجھ کو خدا کے راستہ سے بھٹکا نہ دے) کی تنبیہ بے محل ہو جاتی ہے، کیونکہ ایک فریق کا بیان سُن کر فیصلہ کر دینے میں حضرت داؤد کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہ تھا کہ اس سے اتباع ہوئی لازم آئے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو اصولِ عدالت سے ایک نادانستہ انحراف کہا جاسکتا ہے جس پر تنبیہ کی دوسری صورت ہونی چاہیے تھی۔

(۸) کچھ لوگوں نے ایک دوسری ہی تاویل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک دن محض عبادت کرتے تھے۔ ایک دن مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے۔ ایک دن اپنے خانگی معاملات کو دیکھتے تھے۔ اور ایک دن بنی اسرائیل کو وعظ و تلقین کرتے تھے۔ یہ تقسیم چونکہ وحی الٰہی کے بغیر کی گئی تھی، اور نبی کو وحی کے خلاف کوئی کام نہ کرنا چاہیے، اس لئے، اور اس لئے کہ نبی کو زیادہ تر اپنا وقت وعظ و نصیحت اور فصل معاملات میں صرف کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی۔ لیکن اس تاویل میں متعدد کمزوریاں ہیں:-

اولاً تقسیم اوقات کی روایت محض ایک شاذ روایت ہے جو بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔ اور خود حضرت ابن عباس سے جو قوی روایتیں مسروق اور سعید بن جبیر نے نقل کی ہیں وہ اُس تاویل کی تائید کرتی ہیں جو ہم نے اختیار کی ہے، یعنی ماذاد داؤد علی ان قال انزل لی عنھا (حضرت داؤد نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا تھا کہ اس سے طلاق کی درخواست کی)۔ اسی کی تائید قرآن کے الفاظ قَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ سے بھی ہوتی ہے۔

ثانیاً، اگر کسی شخص کے پیشِ نظر حضرت ابن عباس کی یہ روایت نہ ہو تو وہ صرف یہی نہیں کہ قرآن مجید کی ان آیات کا یہ مطلب نہیں سمجھ سکتا، بلکہ ظاہر الفاظ سے وہ اس کے بالکل خلاف مطلب نکالے گا۔ یہ

بات کتاب الٰہی تو درکنار معمولی انسانی تصنیفوں کے لئے بھی معیوب ہے کہ اس کے اپنے الفاظ اس کا مدعا ظاہر کرنے سے اس درجہ قاصر ہوں کہ اگر ایک خاص روایت اس کی تشریح کرنے والی سامنے نہ ہو تو ناظر اس کا بالکل الٹا مطلب لے نکلے۔ روایت اگر اصل متن کے متبادر مفہوم کی مزید تشریح کرتی ہو تو اس کے مفید ہونے میں کلام نہیں لیکن اگر وہ متبادر مفہوم سے ہٹا کر بات کو کسی اور طرف پھیرے جائے تو ایسی روایت کو شارح کے بجائے متمم کہنا پڑے گا، اور اس سے لازم آئے گا کہ اس متمم کے بغیر قرآن ناقص ہے۔

ثالثاً، خود حضرت ابن عباسؓ نے بھی اپنی اس روایت کو وجہ عتاب کی تفسیر میں بیان نہیں کیا ہے بلکہ صرف اس امر کی تشریح میں بیان کیا ہے کہ خصمین کو دیوار پھاند کر محراب میں جانے کی ضرورت کیا پیش آئی تھی۔ اس کی شرح میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ دن حضرت داؤد کی عبادت کا تھا اور وہ اپنی محراب میں تشریف رکھتے تھے جو ان کے مکان کے بالائی حصہ میں واقع تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ عبادت کے لئے ایک دن مخصوص کرنے پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تھا، تو اس کا اشارہ تک ابن عباسؓ کی روایت میں نہیں ہے۔

رابعاً، اگر بات یہی تھی جو یہ مفسرین بیان کرتے ہیں تو خصمین کے پورے مقدمہ کو نقل کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ یہ بات قرآن کے اسلوب کے خلاف ہے کہ وہ کسی واقعہ کی ایسی تفصیلات نقل کرے جن سے اصل مقصود پر کوئی روشنی نہ پڑتی ہو۔ اس مقصد کے لئے صرف یہ بیان کرنا کافی ہو جاتا کہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگے اور اس قسم کا ایک معاملہ ہم نے داؤد کو متنبہ کرنے کے لئے اس کے پاس بھی بھیج دیا۔

خامساً، عبادت میں افراط اور کثرت ایسی چیز نہیں ہے جس کو "ہویٰ" سے تعبیر کیا جائے۔ قرآن نے کہیں بھی اس فعل کو ہوائے نفس کی طرف منسوب نہیں کیا ہے، اور نہ کوئی ایک مثال ایسی ملتی ہے کہ کثرتِ عبادت

پر کسی کو عتاب فرمایا گیا ہو۔ پھر کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک عبادت گزار بندے کو عبادت کی زیادتی پر ان الفاظ میں تنبیہ فرماتا کہ "خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ یہ تجھے گمراہ کردے گی"۔

ان وجوہ سے ہمارے نزدیک یہ تاویل بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔

ان تمام احتمالات کے ساقط ہو جانے کے بعد وہی تاویل باقی رہ جاتی ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے اور جس کی طرف بعض قدیم مفسرین بھی گئے ہیں، یعنی یہ کہ معاملہ اوریاہ کی بیوی ہی کا تھا، مگر اس کی اصلیت صرف اس قدر تھی کہ حضرت داؤد نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر اوریاہ سے طلاق کی درخواست کی تھی۔ یہ تاویل اس لحاظ سے بھی مرجح ہے کہ اگر اوریاہ کی بیوی کے معاملہ کی سرے سے کوئی اصلیت ہی نہ ہوتی تو قرآن مجید اس موقع پر صاف الفاظ میں اس کی تردید کرتا، جس طرح اس نے حضرت سلیمان کے حق میں کفر و شرک اور ساحری کے الزام کی تردید کی، کیونکہ یہودیوں میں یہ قصہ ایک امر واقعی کی طرح مشہور تھا اور قرآن کے لئے یہ غیر ممکن تھا کہ ایک نبی کا ذکر تو کرے مگر اس کے دامن پر ایسے شدید الزامات کا داغ بدستور رہنے دے۔ اس تاویل کو قبول کرنے میں لوگوں نے صرف اس بنا پر تامل کیا، کہ انبیاء کی طرف اس قسم کی لغزشوں کا انتساب، عصمتِ انبیاء کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ان حضرات نے شاید اس امر پر غور نہیں کیا کہ عصمت دراصل انبیاء کے لوازمِ ذات سے نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصبِ نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے مصلحۃً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے، ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لئے بھی ان سے منفک ہو جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے، اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں، اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں، خدا نہیں ہیں۔

اس قصہ میں دو چھوٹی چھوٹی غلط فہمیاں اور بھی ہیں جو زبان زد عام ہوگئی ہیں:۔

ایک یہ کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی ۹۹ بیویاں تھیں۔ اس کی بنا یہ ہے کہ تمثیل میں ۹۹ دنبیوں کا ذکر ہوا ہے۔ لیکن درحقیقت ۹۹ سے محض کثرت مراد ہے نہ کہ بعینہٖ یہ عدد۔ مستغیث نے دراصل تمثیل کے پیرایہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ آپ کے پاس بہت سی عورتیں موجود ہیں، اور بہت سی عورتوں سے بیاہ کرنے کی آپ قدرت رکھتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ جو اشخاص خصم بن کر حضرت داؤد کے پاس پہنچے تھے وہ انسان نہیں بلکہ فرشتے تھے۔ اس گمان کی بنا اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں پہنچ گئے تھے۔ لیکن یہ ایک بہت کمزور بات ہے۔ فرشتوں کا انسانی صورت میں آنا بجائے خود مستبعد نہیں، مگر یہاں نہ تو فرشتوں کے آنے کی کوئی خاص ضرورت نظر آتی ہے، اور نہ دیوار پھاندنا کوئی ایسی عجیب بات ہے کہ انسان کے لئے غیر ممکن ہو، اور صرف فرشتوں سے ہی بن آئے۔ پس جب اللہ نے تصریح نہیں کی کہ وہ فرشتے تھے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے دل سے ان کو فرشتہ بنا دیں۔

بعض لوگوں نے خصمین کے ملائکہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی بیان کی ہے کہ حضرت داؤد ان کے آنے سے گھبرا گئے تھے لیکن یہ استدلال بھی کمزور ہے۔ جب کوئی شخص اپنی خلوت گاہ میں ہو جہاں کسی غیر کے آنے کا سان گمان بھی نہ ہو، اور اچانک کوئی شخص پھاند کر اس کے پاس پہنچ جائے تو فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ گھبرا جائے۔ اس میں ایسی کونسی انوکھی بات ہے کہ آنے والوں پر فرشتہ ہونے کا گمان کیا جائے۔

هٰذَا مَا عِنْدِیْ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ